شذرات

مارچ کی آخری تاریخوں میں پشاور یونیورسٹی میں مؤتمر علوم اسلامیہ کے اجلاس ہو رہے ہیں۔ جن میں جہاں ایک طرف عربی و دینی مدارس کے علمائے کرام شرکت فرما رہے ہیں، وہاں دوسری طرف جدید یونیورسٹیوں اور کالجوں کے اصحابِ علم بھی شرکت کر رہے ہیں۔ گزشتہ سال تقریباً انہی دنوں سندھ یونیورسٹی حیدرآباد میں بھی علوم اسلامیہ کی یہ مؤتمر ہوئی تھی، اور دونوں مکاتبِ خیال کے علماء و فضلاء اس میں شریک ہوئے تھے۔ جدید علوم کی درسگاہوں میں قدیم اسلامی علوم کے متخصصین کے اس طرح کے اجتماع نہ صرف علمی و فکری لحاظ سے ہماری قومی زندگی میں بڑے دور رس اثرات کے حامل ہوں گے، بلکہ اِن سے ہماری معاشرتی زندگی میں اُس خلیج کو پاٹنے میں بھی بڑی مدد ملے گی، جس نے قدیم و جدید مکاتبِ خیال کو ایک دوسرے سے جُدا کر رکھا ہے۔ مسلمانوں کے زوال، جمود اور اُن کی پس ماندگی کے بے شک اور بھی اسباب ہیں، لیکن گزشتہ ایک صدی میں اُن کے ہاں قدیم و جدید میں جو بُعد، بلکہ ایک حد تک منافرت پائی جاتی ہے، اِن اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی ہے۔

عربی و دینی مدارس میں انگریزی زبان اور جدید علوم کی تعلیم و تدریس اور جدید سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اسلامیات اور اسلامی علوم و ثقافت کی تعلیم کا انتظام ایک بڑا خوش آئند امر ہے۔ افسوس اس کا ہے کہ یہ کام بہت دیر میں شروع ہوا، لیکن خداوند کریم کا شکر ہے کہ آخر حاملینِ دینِ متین اور اصحابِ علومِ جدیدہ ہر دو کو اس ضرورت کا احساس ہوا، اور اب دونوں اس کی طرف متوجہ ہیں۔

حیدرآباد سے تھوڑی سی مسافت پر میرپور خاص ایک شہر ہے، وہاں پہلے ایک عربی و دینی مدرسہ تھا، پھر اُس کے پہلو بہ پہلو ایک ہائی سکول قائم کیا گیا۔ اب اس مدرسے اور ہائی سکول کے بانی جو خدا کے فضل سے ایک مستند اور مسلّم عالمِ دین ہیں، ہائی سکول کو کالج میں منتقل کرنے میں کس طرح کوشاں اور سرگرداں ہیں، اور اُن کے خلوص اور اُن کی ہمت اور شب و روز محنت کو دیکھ کر مخیر حضرات اس کارِ خیر میں جیسے مدد کر رہے ہیں، اُسے دیکھ کر یہ اُمید بندھتی ہے کہ ہمارے ہاں وہ دن دور نہیں، جب قدیم و جدید کا یہ بُعد اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے ایک قصہ ماضی ہو جائے گا۔

علمائے کرام جدید علوم کے سکول اور کالج کھولیں اور جدید علوم کے ارباب سند اسلامی علوم پڑھیں اور پڑھائیں، پاکستان کی قومی زندگی کا یہ ایک قابلِ فخر باب ہے۔ اور اس کا ہر بہی خواہِ قوم و وطن خیر مقدم کرے گا۔

جدید و قدیم علوم کی تعلیم کو ایک دوسرے سے قریب اور دونوں کو یکجا کرنے کے ساتھ ساتھ کم و بیش ہر اسلامی ملک میں اس ضرورت کا بھی احساس ہو رہا ہے کہ اگر اسلام کی تعلیمات اور شریعت کو عام مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا شعار اور اُن کی قومی حکومتوں کا لائحہ عمل بنانا ہے تو اس کے لئے شریعت اور فقہ اسلامی میں اجتہاد کرنا ہوگا کہ اُس کے ذریعہ روح اور زندگی پیدا ہو جس کا جاری رہنا اُمت میں شرعاً ضروری ہے۔ اور جو وقتی مسائل کے شرعی حل تلاش کرنے کا واحد ذریعہ ہے اور جس کے بغیر شریعت کے وقار کو بچایا نہیں جا سکتا۔"

دمشق کے ایک مشہور عالم دین کی یہ رائے ہے۔ اس سلسلے میں وہ یہ تجویز فرماتے ہیں کہ یہ اجتہاد انفرادی کے بجائے اجتماعی ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اس کے لئے علماء و فقہاء کے ساتھ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے چند ایسے ماہرین بھی ہونے چاہئیں جن کے دین پر بھی پورا اعتماد کیا جا سکتا ہو اور جو ضروری عصری علوم مثلاً اقتصادیات، اجتماعیات، قانون اور طب میں ایسی دستگاہ رکھتے ہوں کہ علماء اور فقہاء کو اپنی فنی مہارت کی وجہ سے صائب مشورہ دے سکیں۔ اور اُن کے کام میں پوری مدد کر سکیں۔"

واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں علماء و فقہاء اور جدید علوم کے ماہرین کی متفقہ کوششوں کے بغیر کسی قسم کا اجتہاد ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ علماء و فقہاء کی علمی دسترس نہ عہدِ حاضر کے علوم پر ہے اور نہ اُس کی ضرورتوں اور تقاضوں پر، اور جدید علوم کے ماہرین شریعت اور فقہ اسلامی میں درک نہیں رکھتے۔ چنانچہ جب تک ان میں افہام و تفہیم کے ذریعہ آپس میں فکری مؤانست اور یک جہتی پیدا نہیں ہوتی اور وہ باہم دلی احترام کرنا نہیں سیکھتے، ان میں علمی تعاون کی کوئی راہ نہیں نکل سکے گی اور جدید اجتہاد کی اس بیل کے منڈھے چڑھنے کا کوئی امکان نہیں۔

اس ضمن میں اگر نظری بحثوں سے بالجملہ صرفِ نظر کیا جائے، اور جن عملی مسائل اور ٹھوس ضرورتوں سے عوام و خواص کو عموماً دوچار ہونا پڑ رہا ہے، انہی کے شرعی حل تلاش کرنے کی طرف بیشتر توجہ ہو تو ہمارے خیال میں تعاونِ عمل زیادہ آسان ہو سکتا ہے۔ ہم یہاں اس کی مثالیں دینا نہیں چاہتے، لیکن اس بارے میں صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ جب کوئی چیز حقیقت واقعی بن جاتی ہے تو خالص نظری دنیا میں رہنے والا آدمی بھی مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ اُس کا نوٹس لے، اور اُس کے متعلق اپنا عملی نقطۂ نظر متعین کرے، لیکن نظریات میں بحث د

مناظرہ کے وسیع مواقع رہتے ہیں اور اس کا سلسلہ دور دور تک چلا جاتا ہے۔

عمل تحدید و تعیین کا متقاضی ہوتا ہے۔ اور تحدید و تعیین میں اختلافات کا دائرہ سکڑ جاتا ہے، لیکن نظر و فکر کی دنیا لامحدود اور بے پایاں ہے، اس لئے قدرتاً اس میں اختلافات کی بڑی گنجائش ہے

پاکستان کی قومی زندگی اس وقت اپنے ارتقائی دور کے ایک بڑے اہم مرحلے سے گزر رہی ہے۔ ہمارے ہاں صنعتی انقلاب کی طرح پڑ چکی ہے۔ دیہاتی زندگی بڑی سرعت سے شہری زندگی میں تبدیل ہو رہی ہے، اور ہزاروں اور لاکھوں افراد گاؤں چھوڑ چھوڑ کر روزگار کی تلاش میں صنعتی شہروں میں بس رہے ہیں۔ ایک قوم کی زندگی میں یہ بڑا نازک زمانہ ہوتا ہے۔ اس میں نہ صرف آبادیوں کی اکھاڑ پچھاڑ ہوتی ہے بلکہ اس کے ساتھ تہذیبی روایات، دینی معتقدات، اخلاقی قدروں اور معاشرتی رسوم و عوائد میں بھی خلفشار برپا ہو جاتا ہے۔ بہرحال نئی عمارتیں تو بنتے بنتے بنتی ہیں، اس صنعتی انقلاب کے شروع میں پرانی عمارتیں ایک ایک کر کے ڈھینے ضرور لگتی ہیں۔

ہمارے معاشرے کی پرانی زندگی کی عمارت اب ٹوٹ رہی ہے، اس کی نئی تعمیر صرف اسی طرح ہو سکے گی کہ ہمارے علماء و فقہا اور جدید علوم کے ماہرین میں سے اہل علم و فکر حضرات ایک دوسرے سے تعاون کریں اور قدیم و جدید کی ترکیب و ائتلاف پر نئی عمارت کی بنیاد رکھیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور اُن کے مکتب خیال سے پورے برصغیر پاک و ہند میں شروع ہی سے جو علمی شغف رہا ہے، وہ ایک جانی بوجھی بات ہے، اور اُسے دُہرانے کی ضرورت نہیں، لیکن اب کچھ عرصے سے مغرب کے علمی مرکزوں اور فضلاء میں حضرت شاہ صاحب کے علوم و افکار کی طرف جو توجہ ہو رہی ہے اُس کا البتہ ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا۔ اس سے پہلے اُن دیار میں حضرت شاہ صاحب بہت کم متعارف تھے۔ ہم ان صفحات میں ہالینڈ کے ڈاکٹر بالجن کا ذکر کر چکے ہیں۔ حال ہی میں ہمیں ریاستہائے متحدہ امریکہ کے ایک پروفیسر فری لینڈ ایبوٹ کے تین مضامین کی کاپیاں ملی ہیں جو امریکہ کے مشہور رسالے "دی مسلم ورلڈ" میں چھپے ہیں۔ ان میں سے ایک مضمون شاہ صاحبؒ پر ہے۔ اور باقی دو مضمون سید احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد پر ہیں۔

پروفیسر موصوف نے حضرت شاہ صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ وہ قرون وسطیٰ اور عصر حاضر کی درمیانی شخصیت ہیں، جیسے یورپ میں دانتے تھا۔ "الرحیم" کے آیندہ شمارے میں ان مضامین کا خلاصہ اور اُس پر تبصرہ شائع ہوگا+